پروفیسر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ پنجاب لاہور

اولیاء کرام اور سلاطین اسلام کی مرثیہ خواں

"دہلی کا تازہ سفرنامہ"

اسلام کی عظمت رفتہ کے کھنڈرات

دہلی پہنچتے ہی میں نے ندوۃ المصنفین میں اپنا سامان رکھا اور نہا دھو کر اردو بازار کی طرف نکلا۔ کتب خانہ عزیزیہ پر مولوی سمیع اللہ مرحوم کے دو فرزند عبدالسلام اور عبدالحکیم تشریف فرما تھے۔ دونوں بھائی بڑے تپاک سے ملے اور اگلے دن دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔ اگلے روز میں وقت مقررہ پر ان کی دکان پر پہنچا۔ تو دونوں بھائی مجھے کوچہ چیلان میں اپنے نانا مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ مرحوم کے گھر لے گئے۔ کھانے کے دوران انہوں نے مجھے بتایا کہ اسی کمرے میں علماء کرام کی نشست ہوا کرتی تھی۔ مولانا احمد سعید دہلوی۔ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی۔ اسعد مدنی۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی مفتی ضیاء الحق دہلوی اور دوسرے علماء کے بیٹھنے کی جگہیں دکھائیں۔

کوچہ چیلان ہی میں ایک چھوٹی سی گلی ہے جس میں گنتی کے چار پانچ گھر ہیں۔ یہ گلی "کوچہ مومن خان" کے نام سے موسوم ہے۔ یہیں مومن کی رہائش تھی۔

کتب خانہ عزیزیہ دہلی کے ارباب علم و فن کی نشست گاہ ہے۔ وہاں آنے والوں میں ایسے بزرگ بھی ہیں۔ جو سالہا سال سے بلاناغہ وہاں آتے ہیں۔ یہ سلسلہ مولوی سمیع اللہ مرحوم کے زمانے میں شروع ہوا تھا اور اب تک چل رہا ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ دلی والے اپنی وضعداری نبھا رہے ہیں۔

ظہر کی نماز میں نے جامع مسجد میں ادا کی مسجد کے شمالی دروازے کے باہر ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جو امام صاحب کا قبرستان کہلاتا ہے۔ اسی قبرستان میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور مولوی سمیع اللہ محو خواب ابدی ہیں۔ مولانا لدھیانوی کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے۔

زمانہ کے جیسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

قائد احرار۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

پیدائش ۱۸۹۲ء وفات ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء بروز اتوار

خدمت خلق بود خلق حبیب الرحمن

سجع از مفتی اعظم کفایت اللہ ملتان جیل ۱۹۲۶ء

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی قبر سے اندازاً دس میٹر جانب مغرب کتب خانہ عزیزیہ کے بانی مولوی سمیع اللہ

مرحوم کی قبر ہے ۔ ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے ۔

ہوالباقی ۔ ہوالحی مولانا محمد سمیع اللہ نور اللہ مرقدہ

صدر مجلس احرار خدام خلق صوبہ دہلی ٦ راگست ١٩٦٩ء بروز چہارشنبہ

بوقت اذان عشاء بعمر ٦٥ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اسی قبرستان میں جامع مسجد کے موجودہ امام سید عبداللہ بخاری کے والد بزرگوار سید حمید بخاری آسودۂ خاک ہے

مرحوم راقم الحروف کے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے ۔ انہوں نے قرآن حکیم کے بارے میں سوالنح القرآن کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی تھی ۔ جو مرحوم نے اپنے دستخط کے ساتھ مجھے عنایت فرمائی تھی ۔

جامع مسجد کا مشرقی دروازہ ہمیشہ بند رہتا ہے ۔ اس دروازے کے باہر عہد شاہ جہان کے مشہور صوفی اور شاعر سرمد کا مزار ہے ۔ داراشکوہ کو سرمد کے ساتھ بڑی عقیدت تھی ۔ اورنگ زیب نے اپنے عہدِ حکومت میں سرمد کو بجرم عریانی والحاد قتل کرا دیا تھا ۔ سرمد کی رباعیات طبع ہو چکی ہیں ۔ اس کی ایک حکیمانہ رباعی پیشِ خدمت ہے ۔

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن در کوچۂ شک چو گمرہاں سیر مکن
رو راہ روی ز شیطان آموز یک قبلہ گزین و سجدۂ غیر مکن

سرمد کی قبر سے ملحق ابوالقاسم ہرے بھرے کی قبر ہے ۔ جاہل عوام میں یہ روایت مشہور ہے کہ جب دہلی کی جامع مسجد تیار ہوئی تو اس وقت پتہ چلا کہ قبلہ کی سمت صحیح نہیں ہے ۔ اس زمانے میں ابوالقاسم کی ولایت کا شہرہ تھا ۔ شاہجہان نے ان سے التماس کی اور انہوں نے اپنی کرامت سے قبلہ کی سمت درست کر دی ۔ پیر شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جامع مسجد دہلی کے قبلہ کا رخ شاہ رحمن بھسڑی والا نے شاہجہان کی درخواست پر درست کیا تھا ۔

ہمارے خیال میں تاج محل ، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی جیسی عظیم عمارتیں بنانے والے معماروں پر یہ ایک اتہام ہے کہ انہوں نے مسجد کی بنیاد رکھتے وقت سمتِ قبلہ کا خیال نہیں رکھا ۔

ابوالقاسم اور سرمد کی قبروں کے عقب میں ایک مسجد ہے پہلے یہ ایک ویران جگہ تھی جس پر کباڑیے قابض تھے ۔ لیکن جب سے یہاں زیرِ زمین بازار بنا ہے اس وقت سے یہاں رونق ہو گئی ہے ۔ مسجد میں تبلیغی جماعت کے افراد وعظ و تلقین میں مصروف رہتے ہیں ۔ اس مسجد کے صحن میں شمالی دیوار کے ساتھ تحریکِ خلافت کے راہنما مولانا شوکت علی کی قبر ہے ۔ ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے ۔

یا حیُّ یا قیوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت

ان سے کہدو جو ہیں اس راہ سے گذرنے والے
فاتحہ مرقدِ ویران پہ بھی پڑھتے جائیں
(امیر مینائی)

مرقد پاک   خادم کعبہ   ضیغم اسلام

حضرت مولانا شوکت علی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وصال ۲۶ر نومبر ۱۹۳۸ء بمقام دہلی

مولانا شوکت علی مرحوم کی قبر سے اندازاً پچاس میٹر کے فاصلہ پر ایک خوشنما چھتری کے نیچے مولانا ابوالکلام آزاد آرام فرما ہیں۔ ان کی قبر پر انگریزی، ہندی اور اردو میں "محی الدین احمد ابوالکلام آزاد" مرقوم ہے۔ قبر کے گرد ایک چار دیواری بنا دی گئی ہے۔ اور دن کے وقت ایک چوکیدار وہاں رہتا ہے۔ چوکیدار کے تقرر سے پہلے لوگ یہاں بیٹھ کر تاش اور شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ اس لئے مزار کے احترام کو برقرار رکھنے کے لئے چوکیدار مقرر کرنا پڑا۔

نماز عصر سے قبل میں مطبع مجتبائی کی قدیم عمارت میں ڈاکٹر تنویر علی علوی صدر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی سے ملنے گیا۔ موصوف متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے صحیفۂ ابرار خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہم نے نماز عصر شاہ ابوالخیر کی خانقاہ میں ادا کرنے کا پروگرام بنایا اور چند منٹوں میں وہاں پہنچ گئے۔ جس وقت ہم خانقاہ میں پہنچے تو اس وقت شاہ زید ابوالحسن فاروقی جھاڑو تھامے خانقاہ کی صفائی میں مصروف ہیں میں نے انہیں دیکھتے ہی بآواز بلند کہا:

"شاہ صاحب! اس خانقاہ میں جاروب کشی سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہے"

شاہ صاحب نے ہمیں دیکھتے ہی فرمایا۔ "دیکھئے میں نے خانقاہ میں لائبریری تعمیر کی ہے اور یہ پتھر ملاحظہ کیجئے"

یہ پتھر لائبریری کی مشرقی دیوار پر نصب تھا اور اس پر "فیھا کتب قیمۃ" کندہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے بہتر اور کوئی عبارت موزوں نہیں تھی۔ لائبریری کی پیشانی پر شاہ صاحب کی کہی ہوئی یہ تاریخ مرقوم ہے۔

خدا را منت و رحمت نبی را   کہ شد تعمیر بر بنیاد مسعود

ز ہاتف زید چوں پرسید سالش   مبارک این کتب خانہ بفرمود

شاہ صاحب نے ہمیں اپنی نشست گاہ میں بٹھایا اور مشروبات سے تواضع کی۔ تھوڑی دیر بعد نماز کا وقت ہو گیا اور ہم نے مسجد میں نماز ادا کی۔ مسجد کی پیشانی پر ایک لوح نصب ہے جس پر شاہ ابوالخیر کی کہی ہوئی یہ تاریخ منقوش ہے:

تعالی اللہ عجب مسجد بنا شد   کہ شد اسلام را از و رونق تام

رقم زد خیر تاریخ بنایش   عبادت خانہ پاکیزہ اسلام

۱۳۱۰ھ

صحن مسجد کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک کٹہرے پر حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، شاہ غلام علی دہلویؒ، شاہ ابوسعیدؒ اور شاہ ابوالخیرؒ کے مزارات ہیں۔ مرزا صاحب قبلہ کی قبر کے سرہانے مجر کے اوپر ایک کتبہ نصب ہے۔

جس پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

مزار حضرت مرزا مظہر جان جاناں مظہر شہید قدس سرہ

۱۱۹۵ھ تاریخ دہم محرم

شاہ غلام علی کی قبر کے سرہانے جو لوح نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

مزار حضرت شاہ عبداللہ معروف بشاہ غلام علی قدس سرہ   ۱۲۴۰ھ تاریخ ۲۲ صفر

حضرت شاہ ابو سعیدؒ کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے۔

مزار حضرت شاہ ابو سعید احمدی قدس سرہ   ۱۲۵۱ھ   تاریخ یکم شوال

حضرت شاہ ابو الخیرؒ کا نام نامی اور تاریخ وفات ان الفاظ میں مرقوم ہے۔

مزار حضرت شاہ محی الدین عبداللہ معروف بشاہ ابو الخیر قدس سرہ   ۱۳۴۱ھ تاریخ ۱۹ جمادی الاخری

۱۴۰۰ھ تک یہ محجر بے سقف تھا۔ تین سال قبل شاہ زید ابو الحسن نے اس پر ایک خوبصورت گنبد بنوا دیا ہے گنبد پر ہلکے نیلے رنگ کی ٹائلیں بڑی بھلی دکھائی دیتی ہیں۔ پرانے محجر کو اپنی اصلی حالت میں رہنے دیا ہے اور چار ستونوں پر گنبد اٹھایا گیا ہے۔ میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے گنبد کی تعمیر میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی نفاست طبع کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ شاہ صاحب میری بات سن کر محظوظ ہوتے اور اثبات میں سر ہلایا۔ گنبد کی گردن پر قبلہ رخ شاہ صاحب نے یہ عبارت لکھوائی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم   آرام گاہ مشائخ عالی نسب

۱۴۰۰

وہ چہ عالی شان گنبد شد بنا   بر قبور اولیائے محترم
سال تعمیرش ز لطف کردگار   "چہ نور اینست زیبا" شد رقم

۱۴۰۰ھ

تاریخ تعمیر گنبد ماہ جمادی الآخر ۱۴۰۰ھ   اپریل ۱۹۸۰ء

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو رافضیوں نے شہید کیا تھا۔ انہوں نے اس واقعہ سے برسوں پہلے یہ شعر کہا تھا

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے   کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

یہ شعر محجر کی جنوبی پیشانی پر کندہ ہے۔

محجر سے باہر جانب مشرق دو قبریں ہیں ان میں سے ایک قبر مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی والدہ آبادی بیگم کی ہے جو عوام میں بی اماں کے نام سے مشہور ہیں۔ مولانا محمد علی نے اپنے ایک شعر میں جو زبان زد خلائق ہے۔

اپنی والدہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو

بی اماں کی قبر کی پائنتی جائے نماز کے سائز کا ایک سرخ پتھر نصب ہے۔ پہلے یہ پتھر ایک مکان کے اندر نصب تھا۔ شاہ زید ابوالحسن نے اسے وہاں سے ہٹا کر یہاں نصب کرایا ہے اس پتھر پر حضرت شاہ غلام علیؒ نے برسوں تہجد کے نوافل ادا کئے تھے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خانقاہ مغلوں کے دور زوال میں بڑی بارونق تھی۔ روہیلوں کا ان کی طرف رجوع عام تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ مقابلے کی اسکیمیں یہیں تیار ہوا کرتی تھیں۔ مرزا صاحب کے وصال کے بعد شاہ غلام علیؒ نے اردگرد کے مکانات خرید کر خانقاہ میں شامل کر لئے۔

سرسید احمد خان نے شاہ صاحب کے زمانے میں یہاں ملک ملک کے لوگ دیکھے تھے جو حصول فیض کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد شاہ ابوسعید اور پھر شاہ احمد سعید سجادہ نشین ہوئے ان کے بعد یہ خانقاہ اجڑ گئی تا آں کہ گذشتہ صدی کے اواخر میں شاہ ابوالخیرؒ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔

خانقاہ عالیہ کے موجودہ سجادہ نشین شاہ زید ابوالحسن جامعہ ازہر کے فاضل ہیں۔ انہوں نے مقامات خیر، حضرت مجددؒ اور ان کے ناقد اور ابن تیمیہؒ جیسی علمی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان دنوں موصوف شاہ اسماعیل شہید کے خلاف مواد جمع کرنے میں مصروف ہیں۔

خانقاہ شاہ ابوالخیر سے نکل کر میں اور علوی صاحب ندوۃ المصنفین آئے۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی فروری ۱۹۸۴ سے اپنے گھر میں مفلوج پڑے ہیں۔ مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ موصوف مجھے دیکھتے ہی رونے لگے پھر اصرار کر کے ہمیں چائے پلائی اور مجھے رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ الحمدللہ! فالج کے باوجود ان کا ذہن بالکل صحیح ہے۔ اور یادداشت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس سے گذشتہ سفر میں مفتی صاحب نے اپنی ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ "منارہ صدا" یہ عبارت لکھ کر اس ناچیز کو عطا فرمایا تھا۔

بخدمت گرامی برادر عزیز پروفیسر محمد اسلم صاحب

عتیق الرحمن عثمانی

مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی، دارالعلوم دیوبند کے چھ بانیوں میں سے ایک بانی شاہ فضل الرحمن عثمانی کے پوتے مفتی اعظم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانی کے صاحبزادے اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۳۸ء میں ندوۃ المصنفین قائم کیا تھا۔ جو ایک اشاعتی ادارے سے بڑھ کر اب ایک علمی تحریک بن چکا ہے اس ادارے کا ماہانہ مجلہ برہان ۱۹۳۸ء سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ چھپ رہا ہے۔ برعظیم پاک و ہند کی مختلف

یونیورسٹیوں میں اسلامی موضوعات پر پی ایچ ڈی کرنے والوں کے لئے اس کی فائلیں دیکھنا ناگزیر ہے۔

اگلے روز میں ناشتہ کے بعد دہلی یونیورسٹی گیا۔ وہاں شعبہ عربی میں ڈاکٹر خورشید احمد فاروق سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنی دو نئی تصانیف "تاریخ اسلام" اور "تاریخی تمدنی قانونی ادبی جائزے" عنایت فرمائیں ان کی تصانیف میں سے حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عثمان غنی رض کے سرکاری خطوط خاص طور پر مشہور ہیں۔ موصوف اپنی بعض نگارشات کی بنا پر دینی حلقوں میں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے۔

اسی شعبے سے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی بھی منسلک ہیں۔ موصوف عربی زبان و ادب کے استاد ہیں لیکن اردو کے علمی و ادبی حلقوں میں زیادہ متعارف ہیں۔ موصوف پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ مولانا نسیم احمد فریدی۔ اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے قریبی عزیز ہیں۔ انہوں نے ہی امروہہ کے ایک کتب فروش کے ہاں دیوان غالب بخط غالب سراغ لگایا تھا۔ حال ہی میں "چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت" کے عنوان سے انہوں نے ایک بلند پایہ کتاب شائع کی ہے۔

شعبہ اردو میں خواجہ احمد فاروقی۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی اور فضل الحق صاحب جیسے فضلاء موجود ہیں۔ اس شعبہ میں ہر سال نظام لیکچر کے نام سے مختلف علمی موضوعات پر لیکچر کرائے جاتے ہیں۔ جنہیں بعد میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ اب تک اس شعبہ نے "فلسفہ، شاعری اور اقبال"۔ "حضرت نظام الدین اولیاء، حیات اور تعلیمات"۔ "ہندوستانی کلچر کا ارتقاء تاریخ کے آئینے میں"۔ "اقبال نظریہ شعر اور شاعری"۔ "دکنی کلچر" اور "اوراق مصور، عہد وسطی کی دہلی" جیسی بلند پایہ کتابیں شائع کی ہیں۔ جن کے مصنفین میں پروفیسر ظفر احمد صدیقی پروفیسر محمد حبیب۔ ڈاکٹر تاراچند۔ پروفیسر آل احمد سرور۔ پروفیسر ہارون خان شروانی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی جیسے فضلاء کے نام آتے ہیں۔ پروفیسر فضل الحق صاحب نے یہ کتابیں راقم الحروف کو عنایت فرمائیں۔

شعبہ فارسی میں ڈاکٹر شریف الحسن قاسمی۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری اور ڈاکٹر امیر حسن عابدی سے ملاقات ہوئی۔ قاسمی صاحب نے اپنی تصنیف "دلپذیر" "فارسی نثر کی تاریخ" اس عاجز کو عطا فرمائی۔ ان کے والد صاحب مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے مولوی احمد رضا خان کے ترجمہ قرآن کے بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ انہوں نے اس ترجمہ کو قرآن پاک کی معنوی تحریف ثابت کیا ہے۔

ڈاکٹر نور الحسن نے شعبہ فارسی کی طبع کردہ "راگ درپن" کا ایک نسخہ مجھے عطا فرمایا۔ یہ فن موسیقی پر فقیر اللہ سیف خان کی مشہور تصنیف ہے۔ فاضل مصنف شاہجہان اور اورنگ زیب کے ہمعصر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تالیف "امیر خسرو، احوال و آثار" بھی مجھے عنایت فرمائی۔ اس کتاب میں انہوں نے امیر خسرو کی حیات اور تصانیف پر برعظیم پاک و ہند کے نامور علماء و فضلاء کے مقالے جمع کر دیئے ہیں۔ "خسرو کی غزل" کے عنوان سے

ان کا اپنا بھی ایک مقالہ اس کتاب میں شامل ہے۔

ڈاکٹر امیر حسن عابدی دوبار راقم الحروف کو شرف میزبانی بخش چکے ہیں۔ موصوف "ایوان غالب" کے سہ ماہی مجلہ "غالب نامہ" کی مجلس مشاورت کے ایک اہم رکن ہیں۔ انہوں نے مجھے ایوان غالب میں "غالب کے عہد کا لاہور" کے موضوع پر تقریر کرنے کی دعوت دی۔ میں نے ان کی دعوت پر وہاں ایک تقریر کی۔ اختتام تقریب پر موصوف نے مجھے غالب نامہ کا مکمل سیٹ اور متعدد علمی کتابیں عنایت فرمائیں۔ ان میں استاد چاند خان کی کتاب "موسیقی حضرت امیر خسرو" بھی شامل ہے جو تلاش بسیار کے باوجود مجھے بازار سے نہیں مل سکی تھی۔

"ایوان غالب" ایک عظیم ادارہ ہے جو غالب کے بارے میں ریسرچ کے لئے قائم ہوا تھا۔ بھارت کے سابق صدر فخر الدین علی احمد کی والدہ غالب کے منہ بولے بیٹے عارف کی پوتی تھیں۔ اس لئے موصوف غالب میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ ان کے دورِ وزارت میں یہ ادارہ قائم ہوا اور ان کے دورِ صدارت میں پروان چڑھا۔ اس ادارے میں ایک شاندار لائبریری کے علاوہ ایک عجائب گھر بھی ہے جہاں غالب کے عہد کی چیزیں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔ کسی فن کار نے بڑی محنت کے ساتھ "دلی کا آخری یادگار مشاعرہ" کی تمثیل بنائی ہے۔ غالب۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ اور آزردہ جیسے شعرا کے مجسمے بنائے گئے ہیں اور انہیں اسی عہد کے لباس میں مشاعرہ میں بیٹھے دکھایا گیا ہے۔ ایک کاریگر نے غالب کے گھر کی منظر کشی کی ہے۔ غالب کی اہلیہ ایک چوکی پر بیٹھی وضو کر رہی ہے۔ اور غالب جوتے اتار کر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایک مشہور لطیفہ کی تمثیل ہے۔

ایوانِ غالب، ماتا سندری روڈ پر۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی درگاہ کے عقب میں اندازاً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ دہلی میں غالب اکیڈیمی کے نام سے بھی ایک ادارہ قائم ہے۔ جو بستی حضرت نظام الدینؒ میں غالب کی قبر سے بالکل قریب ہے۔ یہ ادارہ ہمدرد دواخانہ کے متولی حکیم عبدالحمید صاحب نے غالب پر تحقیق کے لئے قائم کیا تھا۔ اس کی پانچ منزلہ عمارت میں ایک لیکچر ہال، عجائب گھر، لائبریری اور ریسرچ اسکالرز کے قیام کے لئے کمرے موجود ہیں۔

ایوانِ غالب سے مہندیوں کی طرف آتے ہوئے میر درد روڈ پر سے گذرنا ہوتا ہے۔ اس سڑک کے مغربی سرے پر ایک چھوٹی سی بستی "شکورہ کی ڈنڈی" کے نام سے موسوم ہے۔ اس بستی میں ایک مسجد ہے جس میں آزادی سے قبل مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے جنوب میں ایک احاطے کے اندر چار قبریں ہیں ان میں سے ایک قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

ہو الناصر   امیر المحمدیؒ بن خواجہ محمد ناصر عندلیب   (والد خواجہ میر دردؔ)

مصنف م نالہ عندلیب
فارسی) رسالہ ہوش ربا قلمی   ولادت ۲۵ شعبان ۱۱۰۵ھ   وفات ۲ شعبان ۱۱۷۲ھ

دوسری قبر مشہور صوفی اور اردو زبان کے مایہ ناز شاعر حضرت خواجہ میر درد کی ہے۔ خواجہ صاحب پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو غزل کی بنیاد خالص عشق حقیقی پر رکھی ہے۔ موصوف وحدت الشہود کے حامی تھے اور اس موضوع پر ان کا یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ان کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے۔

ہو الناصر — اول المحمدیین خواجہ میر درد

مصنف رسالہ اسرار الصلوٰۃ۔ واردات۔ علم الکتاب۔ نالۂ درد۔ آہ سرد۔ درد دل۔ شمع محفل۔ دیوان فارسی اور دیوان اردو۔ ولادت ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ — وفات ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ

خواجہ میر درد کے پہلو میں ان کے چھوٹے بھائی میر اثر محو خواب ابدی ہیں۔ ان کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

ہو الناصر — خواجہ محمد میر اثر محمدی — (برادر خورد خواجہ میر درد)

مصنف۔ مثنوی خواب و خیال۔ مثنوی بیان واقعہ۔ دیوان اثر — وفات صفر ۱۲۰۹ھ

اسی احاطے میں چوتھی قبر میر الم کی ہے اور لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

ہو الناصر — صاحب میر الم محمدی الملقب (بہ) خواجہ ضیاء الناصر — (فرزند خواجہ میر درد)

وفات ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۱۵ھ

اس احاطۂ قبور سے چند قدم کے فاصلہ پر وہ تہ خانہ شکستہ حالت میں موجود ہے جہاں خواجہ میر درد عبادت کیا کرتے تھے۔

دن رات میں لاکھوں افراد پرانی دلی سے نئی دلی جاتے ہوئے ان مزارات کے قریب سے گذر جاتے ہیں لیکن ان میں سے شاید ہی ایک آدھ کو یہ علم ہو کہ اس جگہ مسلمانوں کا کتنا قیمتی خزانہ دفن ہے۔ ع

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

(باقی)

خط و کتابت و ترسیل زر کے لئے
خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے